جماعت اسلامی

کی

پانچ بنیادی خصوصیات

ڈاکٹر محمد رفعت



یہ کتاب دراصل ڈاکٹر محمد رفعت کا وہ مضمون ہے، جوانھوں نے تیسرے کل ہند اجتماع ارکان کے موقع پر 'زندگی نو' نومبر ۲۰۱۰ میں ''اشارات'' کے طور پر تحریر فرمائے تھے۔

جماعت اسلامی کے بنیادی لٹریچر کے مطالعے سے جماعت کی پانچ بنیادی خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں:

(الف) ماضی کی تحریکاتِ اسلامی سے ہم آہنگی کا شعور
(ب) اُمّت کے ساتھ یک جہتی کا احساس
(ج) فرقہ بندی سے اجتناب
(د) شورائیت اور احتساب کی روایات کی تجدید
(ہ) اُمّتِ مسلمہ اور عالمِ انسانیت کے درمیان تعلق کی نشان دہی

ماضی کی اِسلامی تحریکات

جماعت اسلامی کا تاسیسی اجتماع لاہور میں ۱۹۴۱ میں منعقد ہوا۔ اُس وقت تک مُلک تقسیم نہیں ہوا تھا۔ جماعت کے اس تاسیسی اجتماع جس میں پچھتر (۷۵) افراد شریک ہوئے، وہ پورے مُلک سے آئے تھے۔ جماعت کا جو دستور انھوں نے بنایا وہ ایک عالمی جماعت کا تھا۔ اِس دستور میں جماعت اسلامی کا دائرۂ کار کسی ایک مُلک تک محدود نہیں کیا گیا تھا۔ یوں تو تاسیسی اجتماع کے تمام شرکاء کو جماعت کا بانی کہا جاسکتا ہے، لیکن اُن میں کلیدی شخصیت

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ کی تھی۔ مولانا نہ صرف اِس اجتماع کے داعی تھے، بلکہ وہ جماعت کی بنیاد جن افکار وخیالات پر رکھی گئی، اُن کو ایک مرتب اور مدلّل لٹریچر کی صورت میں پیش کرنے والے مفکر بھی تھے۔

مولانا مودودیؒ کی ایک اہم کتاب 'تجدید واحیائے دین' ہے۔ کتابی شکل میں شائع ہونے سے قبل یہ کتاب ماہ نامہ 'الفرقان' کے 'شاہ ولی اللہ نمبر (۱۹۳۵ء)' میں ایک مضمون کی شکل میں چھپ چکی تھی۔ محترم مصنف نے اِس کتاب میں اُن تحریکات کا اِجمالی تذکرہ کیا ہے، جو خلافتِ راشدہ کے بعد مختلف ادوار میں اُٹھیں اور انھوں نے اُمتِ مسلمہ کو دوبارہ اُس کے اصل مقام پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ تجدیدی تحریکات کا یہ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے شروع ہوتا ہے اور شاہ ولی اللہؒ کے کام کے نسبتاً تفصیلی تعارف پر ختم ہوتا ہے۔ اِن مجددین محترم کے کارناموں کے تعارف سے قبل مولاناؒ نے خود کارِتجدید کا تعارف کرایا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے یہ بات واضح کی ہے کہ کارِتجدید کا اصل منشا جاہلیت کے تسلّط کو ختم کرنا ہے۔ یہ وہی کام ہے جو انبیاء علیہم السلام انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے نبی اور مجدد کے کام میں جو مماثلت پائی جاتی ہے، اُس کی واضح نشاندہی کی ہے۔ مولانا نے بتایا ہے کہ مجدد نبی تو نہیں ہوتا اِس لیے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، لیکن وہ اپنے مزاج میں مزاج نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ اِسے اللہ ایسی بصیرت عطا کرتا ہے کہ وہ حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اِس وقت جاہلیت کی گرفت کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ اِس جائزے کے بعد وہ یہ سوچتا ہے کہ کِس جگہ ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور دین کے احیاء کے لیے راہ ہموار ہو۔

مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب 'تجدید واحیائے دین' میں جو تاریخی تجزیہ پیش کیا، وہ جماعت اسلامی کے قیام کے لیے پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا نے جس نئی جماعت کے قیام کی دعوت دی، اس کا کام اس کارِتجدید کا تسلسل ہے، جو امت کے ماضی میں انجام پاتا رہا ہے۔ جماعت اسلامی کے وابستگان کو ماضی کے اِن تجربات سے حوصلہ حاصل کرنا ہے، بزرگوں کی قربانیوں کے اعلیٰ نمونوں سے اپنے جذبات کو جلا دینی ہے، اُن کے اچھے اقدامات کی اپنے حالات کے مطابق پیروی کرنی ہے اور اُن کی لغزشوں سے بچنا ہے۔ یہ سارے کام اُس

وقت ہو سکتے ہیں، جب جماعت اسلامی کے کام کو امت کی تاریخ کے اندر جاری تحریکاتِ تجدید کے سلسلے کی ایک کڑی سمجھا جائے۔

جماعت اسلامی کے دستور میں عقیدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح کے ذیل میں بنیادی اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اِن اصولوں میں ایک اہم اصول 'معیارِ حق' کی اِصطلاح کے متعلق ہے۔ جماعت کے فہم کے مطابق صحیح اسلامی رویّہ یہ ہے کہ یہ طے کرنے کے لیے کہ کون سا نقطۂ نظر اور رویّہ برحق ہے اور کون برسرِ حق نہیں ہے، صرف کتاب و سنت کو معیار بنایا جائے۔ اس اصول کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی فرد ایسا نہیں ہے، جس کے کام کو کتاب و سنت کے معیار پر نہ پرکھا جا سکتا ہو۔ اِس اصول کا انطباق جس طرح حال کی شخصیات اور افراد پر ہوگا، اُسی طرح ماضی کی شخصیات پر بھی ہوگا۔ اگر ماضی کی تحریکاتِ تجدید اور مجددین کرام کے کارناموں سے فی الواقع فائدہ اٹھانا ہے تو اس اصول کا استعمال ضروری ہے۔

چنانچہ اس اصول کا استعمال کرتے ہوئے خود مولانا مودودیؒ نے ماضی کی تحریکات کا دیانت دارانہ جائزہ لیا ہے اور جہاں جہاں کمزوریاں اور لغزشیں محسوس ہوئیں، اُن کی صاف صاف نشاندہی کی ہے۔ اِس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے ولی اللہی تحریک اور تحریک شہیدین کے سلسلے میں تین باتوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کے سلسلے میں ان تحریکات کا مطالعہ کرنے والے ہر طالب علم کو فی الواقع تردد محسوس ہوتا ہے:

(الف) 'مغربی طاقتوں خصوصاً انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجوہات کیا ہیں اور اس طاقت کے پیچھے کون سے سماجی و تاریخی عوامل کارفرما ہیں' اِس امر کی کوئی تحقیق 'تحریک شہیدین' کے قائدین نے نہیں کی۔

(ب) مسلمانوں میں جاری روایتی تصوف کی کمزوریوں سے واقف ہونے کے باوجود اِس تصوف کی رائج اِصطلاحات سے پرہیز نہیں کیا گیا، جب کہ احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ جرأت کے ساتھ مروجہ تصوف میں اِصلاح کی جاتی۔

(ج) سرحد کے علاقے میں اسلامی ریاست کے قیام سے قبل عوام کو اس کے لیے تیار نہیں کیا گیا۔

جماعت اسلامی کے وابستگان کو یہ بات یاد رکھنی ہے کہ ماضی کی تجدیدی کوششیں اُن کے لیے نمونہ بھی ہیں تا کہ اُن سے فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن جو غلطیاں ماضی کے کاموں میں نظر آئیں اُن سے انھیں بچنا بھی ہے۔

اُمّت سے تعلّق

اُمت کے ماضی سے تعلّق کے علاوہ اُمت کے حال سے تعلق کا اظہار بھی جماعت کے قیام کے دوران پیش کردہ امور سے ہوتا ہے۔ تاسیسی اجتماع میں مولانا مودودیؒ نے یہ پہلو واضح کیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ اِس نئی جماعت کے قیام کی دعوت دینے سے قبل انھوں نے مُلک میں موجود مسلمانوں کی اہم تنظیموں کو اصل اسلامی نصب العین یاد دِلایا اور اُن سے اپیل کی کہ وہ مسلمانوں کے وقتی مسائل کے حل کے لیے کام کرنے کے بجائے بنیادی اِسلامی نصب العین کے لیے کام کریں۔ اِسی طرح مولانا نے یہ اپیل بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو مختلف وقتی مقاصد کی طرف بلانے کے بجائے مسلمانوں کی جماعتوں کو یہ چاہیے کہ وہ 'الھدیٰ' اور دینِ حق کی طرف مسلمانوں کو اور تمام انسانوں کو بلائیں۔ یہ اپیل کامیاب نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کی قابل ذکر جماعتوں کے نزدیک مسلمانوں کے مسائل نیز آزادی وطن اور قیام پاکستان کے مقاصد کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ وہ جماعتیں اس کے لیے آمادہ نہ ہوسکیں کہ حالاتِ حاضرہ کے پیدا کردہ وقتی مسائل سے قطع نظر کر کے اصل اِسلامی نصب العین کے لیے براہِ راست کام کریں۔ اِسی طرح یہ جماعتیں اِس بات کے لیے بھی آمادہ نہ ہوسکیں کہ 'الھدیٰ' اور 'دین حق' کی طرف مسلمانوں اور انسانوں کو دعوت دیں۔ بجائے اِس کے کہ آزادی وطن یا قیامِ پاکستان کو اصل دعوت قرار دیں۔

مسلمانوں کی جماعتوں نے جو رویّہ اختیار کیا، اُس کی بِنا پر مولانا مودودیؒ کو یہ قدم اٹھانا پڑا کہ وہ ایک ایسی نئی جماعت کے قیام کی دعوت دیں جو براہِ راست اِسلامی نصب العین کے لیے کام کرے۔ اِس نئی جماعت کی تاسیس کے باوجود امت کے حالات اور مسائل سے جماعت نے ہمیشہ سرگرم دلچسپی لی اور ساتھ ہی یہ کوشش بھی ہر مرحلے میں جاری رکھی کہ مسلمانوں کی اہم جماعتیں اور ادارے اصل اِسلامی نصب العین کو اختیار کرلیں اور اپنی تمام دلچسپیوں کو اِس بنیادی نصب العین کے تابع رکھیں۔ امت کے حالات سے سرگرم تعرّض کا کام مولانا مودودیؒ

نے جماعت کے قیام سے قبل ہی شروع کر دیا تھا۔ اِس کی پہلی مثال 'الجہاد فی الاسلام' کی تصنیف ہے۔ اِسلام کے تصور جہاد پر عیسائی، آریہ سماجی اور دوسرے حلقوں کی طرف سے جو اعتراضات کیے جارہے تھے، مسلمانوں کی طرف سے اُن کا کوئی معقول و مدلّل جواب نہیں دیا جارہا تھا۔ اسی خاموشی کی بنا پر مسلمانوں میں معذرت خواہانہ ذہنیت، بد دِلی اور Demoralization کی کیفیت پیدا ہورہی تھی۔ مولانا کی کتاب 'الجہاد فی الاسلام' نے جو ۱۹۲۷ میں شائع ہوئی اِس فضا کو ختم کیا اور مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کا اعتماد اِسلام پر بحال کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

دوسرا فکری چیلنج جو سامنے تھا وہ اُن موضوعات سے متعلق تھا، جن میں اِسلام اور فکرِ مغربی کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بلکہ متضاد ہے مثلاً سود، پردہ، ضبطِ ولادت، سیکولرزم اور نیشنلزم۔ مولانا نے اِن سب موضوعات پر لکھا اور مغربی فکر پر اتنی معقول و مدلّل تنقید کی کہ اِس کا طلسم ٹوٹ گیا اور مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد کا اِسلام پر یقین بحال ہوا۔ مولاناؒ کے اِس کارنامے کا اعتراف اُن دینی حلقوں نے بھی کیا، جو جماعت سے کسی نوعیت کا اختلاف رکھتے رہے ہیں۔ بعد میں مولانا کی یہ تحریریں ہندستان سے آگے بڑھ کر عالمِ اسلام کے ہر گوشے میں پہنچیں۔ انگریزی، عربی اور دوسری زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے اور ہندستان کی طرح دوسرے ممالک کے مسلمانوں پر مغربی فکر کے اثرات کا ازالہ کرنے میں مولانا کی اِن تحریروں سے غیر معمولی مدد مِلی۔

مسلمانوں کے سامنے ایک اور چیلنج داخلی تھا۔ ایک طرف مغربی تہذیب اور فکر نے مسلمانوں کے ذہنوں کو منتشر کر رکھا تھا اور اُن کے ایمان کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا تھا، دوسری طرف خود مسلمانوں کے معاشرے کے داخلی مسائل حل طلب تھے۔ مولانا مودودیؒ نے مسلمانوں کے اہلِ علم و فکر کو توجہ دِلائی کہ مسلمانوں کے معاشرے میں جو اِصلاحات مطلوب ہیں، اُن کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنائیں۔ مولانا کی کتاب 'حقوق الزوجین' اِس کوشش کی آئینہ دار ہے۔ اِس کتاب میں جو اِصلاحات تجویز کی گئی ہیں، اَب تک ہمارا مسلمان سماج اُن کی طرف توجہ نہیں کر سکا ہے۔ اِسی طرح مولانا نے مروجّہ نظامِ تربیت (تصوف) کے متبادل کو موضوعِ گفتگو بنایا۔ مولاناؒ نے اِس موضوع پر صِرف اشارے کیے لیکن جماعت کے دوسرے وابستگان نے اِس پر

مبسوط انداز میں لِکھا۔ اِس سلسلے میں مولانا امین احسن اِصلاحی کی تصنیف ''اِسلامی تزکیہ نفس''، مولانا صدر الدین اِصلاحی کی 'اساسِ دین کی تعمیر' اور ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری کی 'مقصدِ زندگی کا اسلامی تصور' کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اُمت کے عام اہلِ علم نے جماعت کے اہل قلم حضرات کی اِن کاوشوں کا عام طور پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔ جماعت مغربی فکر کو شکست دینے میں تو کامیاب ہوئی لیکن وہ داخلی محاذ پر اِس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکی کہ مسلمانوں کے رائج عائلی نظام اور نظامِ تربیت میں ضروری اِصلاحات کر سکے۔

آزادی سے قبل امت مسلمہ کی جو سب سے بڑی خدمت مولانا مودودیؒ نے انجام دی وہ یہ تھی کہ اپنی کتابوں 'مسئلہ قومیت' اور 'سیاسی کش مکش' کے ذریعے مسلمانوں کو قومی تحریکات میں ضم ہونے سے بچایا اور اُن کے اجتماعی ذہن کو اِس کے لیے آمادہ کیا کہ وہ اپنی مستقل ملّی حیثیت پر اِصرار کریں اور اپنی تحریکات کو اِسی انداز میں چلائیں۔

امت کے مسائل اور حالات سے ایجابی تعلق اور اِصلاحِ حال کی تدابیر اختیار کرنے کا یہ رویّہ جو جماعت نے تقسیم ہند سے قبل اختیار کیا تھا، وہ تقسیم کے بعد بھی جاری رہا۔ جماعت اسلامی ہند نے اس سلسلے میں متعدد کام کیے۔ مثلاً فساد زدہ مسلمانوں کے حوصلے کی بحالی اور اُن کی رہ نمائی، دینی تعلیم کا نظم، دینی تعلیمی کونسل کا قیام، فساد زدگان میں ریلیف ورک، پرسنل لا کے تحفظ کے لیے بورڈ کے قیام میں سرگرم شرکت اور مسلمانوں کی تنظیموں کے مشترک پلیٹ فارم کا قیام۔ اِسی طرح جماعتِ اسلامی پاکستان نے 'نظامِ اسلامی' کے قیام کا مطالبہ کیا۔ علماء کی مدد سے مشترک نکات منظور کرائے اور پھر اِسلامی دستور منظور کرانے کے لیے کوشش کی۔ پاکستان میں ابھرنے والی علاقائی تحریکوں کا مقابلہ کیا۔ قادیانیت کی روک تھام کے لیے عوام وخواص اور حکومت کو توجہ دِلائی اور موثر اقدامات کیے۔ اِسی طرح فتنہ انکارِ حدیث کا بھی مقابلہ کیا۔

مندرجہ بالا روایت کو باقی رکھتے ہوئے جماعت کے وابستگان کو اِس کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ امت کے مسائل، مسلمانوں کے حالات اور ان کے اداروں سے جماعت کا گہرا تعلق قائم ہو اور قائم رہے۔ جماعت کا رول یہ ہونا چاہیے کہ وہ مسلمان سماج کے اندر پیدا ہونے والے تمام رجحانات سے باخبر رہے، منفی رجحانات کا بروقت تدارک کرے، اچھے رجحانات کو پروان چڑھائے اور اِس سلسلے میں امت کے تمام صالح عناصر کا تعاون حاصل کرے۔

فرقہ بندی سے اجتناب

جماعت اِسلامی کے تاسیسی اجتماع کے موقعے پر ہی مولانا مودودیؒ نے شرکاءِ اجتماع کو باخبر کردیا تھا کہ اِس جماعت کو فرقہ نہیں بننا ہے۔

''فرقے کیسے بنتے ہیں؟'' اِس سوال پر بھی مولانا مودودیؒ نے روشنی ڈالی۔ مولانا نے بتایا کہ فرقہ بننے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ امت کا کوئی گروہ اپنی دعوت میں کسی ایسے جز کا اضافہ کردیتا ہے جو اصل اسلامی دعوت میں موجود نہیں ہوتا یا اِسلامی دعوت کے کسی جز کو حذف کردیتا ہے۔ کچھ گروہ ایسا کرتے ہیں کہ وہ اجزاءِ دعوت میں تو کوئی کمی بیشی نہیں کرتے، لیکن دین میں اُن کی اہمیت کو گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔ مولاناؒ نے تنبیہ کی کہ جماعت اِس سلسلے میں محتاط رہے۔ وہ دعوتِ اسلامی کے مختلف پہلوؤں میں اہمیت کی جو ترتیب پائی جاتی ہے اُس کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھے۔ اگر یہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے تو فرقہ بن جانے کا خطرہ ختم ہوجاتا ہے۔

مولانا نے فرقہ بننے کی ایک دوسری وجہ بھی بتائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی کے بعد کسی شخصیت کو یہ مقام دے دیا جائے کہ اُس پر کسی حیثیت سے ایمان لانا ضروری ہو۔ ماضی میں یہ غلطی بعض گروہوں نے کی ہے کہ اپنے رہ نماؤں کو 'مہدی' قرار دے کر اسی حیثیت میں اُن کی شخصیت کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی۔ اگر اِس نوع کی کوئی غلطی کی جائے تو وہ گروہ فرقہ بن جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ کی ہدایت کے مطابق جماعت نے اِس غلطی سے بچنے کا پورا اہتمام کیا ہے۔ دستور میں وضاحت کی گئی ہے کہ جماعت کی دعوت اپنے امیر کی شخصیت کی طرف نہ ہوگی بلکہ جماعت کے نصب العین کی طرف ہوگی۔ اِسی طرح امیرِ جماعت یا کسی اور شخصیت کو یہ مقام نہیں دیا جائے گا کہ اُس پر کسی حیثیت یا کسی پہلو سے ایمان لایا جائے۔ وابستگانِ جماعت سے جماعت کا مطالبہ جو کچھ ہوگا وہ صرف امیر کی اطاعت فی المعروف کا ہوگا۔

امت مسلمہ کے اہل علم میں تین موضوعات پر شروع ہی سے اختلافات رہے ہیں:

(الف) اِسلامی قانون کی تفصیلات۔ اِس موضوع کو اِصطلاحاً 'فقہ' کہا جاتا ہے۔

(ب) نظامِ تزکیہ و تربیت کی تفصیلات۔ اِس موضوع کو ہماری روایت میں تصوف کہا جاتا ہے۔

(ج) اِسلامی عقائد وتصورات کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے طریقِ استدلال کی تفصیلات۔ یہ موضوع 'کلام' کہلاتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے تاسیسی اجتماع میں یہ بات واضح کی کہ جماعت، بحیثیت جماعت فقہی اور کلامی مسائل میں ایسا کوئی موقف اختیار نہیں کرے گی، جس کی پابندی تمام ارکانِ جماعت کے لیے لازم ہو۔ بالفاظِ دیگر اِن موضوعات کے سلسلے میں ارکانِ جماعت کو اجازت ہوگی کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں خود غوروفکر کریں یا امت کے اندر موجود معروف مکاتبِ فکر میں سے کسی مکتبِ فکر سے وابستگی اختیار کریں۔ مولانا مودودیؒ نے بعض فقہی اور کلامی مسائل پر لکھا ہے لیکن اپنی رائے کا کسی کو پابند نہیں بنایا اور آپ نے یہ کہا کہ گفتگو کی یہ آزادی سب ارکان کو حاصل ہے اور رہنی چاہیے۔ ارکانِ جماعت اِن موضوعات کے سلسلے میں مولانا مودودیؒ کے موقف یا نقطہ نظر کے پابند نہیں ہیں۔

جماعت نے مسلمانوں سے صاف طور پر یہ بات کہی کہ اقامتِ دین کے مقصد کے لیے سارے مسلمان متفق ہوکر کوشش کریں اور جن اختلافات کی دین میں گنجایش موجود ہے، اُن اختلافات کو گوارا کریں۔ یہی صحیح دینی مزاج ہے اور جماعت کا یہ مزاج برقرار رہنا چاہیے۔

شورائیت اور احتساب

دورِاوّل کے بعد مسلمان سماج میں جن پہلوؤں سے زوال آیا، اِن میں نمایاں ترین 'شورائیت' اور 'احتساب' کے پہلو ہیں، جو دورِاوّل کے معاشرے کے امتیازی اوصاف ہوا کرتے تھے۔

مسلمان معاشرے کے لیے 'امرھم شوریٰ بینھم' قرآن مجید کی واضح اور دائمی ہدایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات ہمیں روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ کثرت سے مشورے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپؐ کا یہ اُسوہ ہر دور میں امت کے لیے اور امت کے ہر گروہ کے لیے واجب الاتباع ہے۔ خلافتِ راشدہ میں ہمیں اِسی اُسوۂ نبوی کے مطابق شورائیت کا اہتمام نظر آتا ہے۔ حکومت وریاست کے معاملات کے علاوہ شورائیت کا اصول زندگی کے دوسرے میدانوں سے بھی متعلق ہے۔ مثلاً خاندانی نظام کے اندر بھی شورائیت

کے تقاضے پورے کیے جانے چاہییں۔ دورِاوّل کے معاشرے میں ہمیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں شورائیت کی اسپرٹ کارفرما نظر آتی ہے۔

دورِاوّل کے بعد جب مسلمانوں میں ملوکیت کا دور آیا تو حکمراں مطلق العنان ہوگئے اور شورائیت کا اصول فراموش کردیا گیا۔ مولانا مودودیؒ نے اِس تبدیلی پر 'خلافت وملوکیت' میں وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اِس تبدیلی کا اثر پورے معاشرے پر پڑا اور اِصلاحی وتربیتی اِدارے بھی اِس فضا سے متاثر ہوئے۔ جو اِصلاحی کام حکومت کے اثرات سے آزاد تھے، اُن میں بھی اجتماعی کوششوں اور شورائی نظم کی بجائے ہمیں عموماً انفرادی کوششیں نظر آتی ہیں۔ سرگرم افراد کے دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ عموماً یہ تعمیری کوششیں بھی ختم ہوجایا کرتی تھیں۔ اس تاریخی پس منظر کی موجودگی میں جماعت اسلامی نے شورائیت کے اصول کو عملاً زندہ کیا۔ اُس نے اپنے نظم اور تحریک کے ڈھانچے کو شورائی بنیادوں پر مرتب کیا اور عملاً پالیسی سازی اور منصوبوں پر عمل درآمد میں شورائیت کے اصولوں کو برت کر دکھایا۔ جماعت کے اِس رویّے کا مثبت اثر امت کے عام اداروں اور تنظیموں پر بھی پڑنا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

تنقید واحتساب ایک باشعور مسلمان معاشرے کی پہچان ہے۔ دورِاوّل میں افراد کے اندر نہی عن المنکر کی اسپرٹ زندہ تھی اور حکمراں اس جذبے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں تنقید اور احتساب کی فضا مضمحل ہوگئی۔ حکمرانوں نے بسااوقات اُن افراد پر سخت مظالم ڈھائے جنھوں نے اُن کو غلط باتوں پر ٹوکنے کی جرأت کی تھی۔ زوال کی اِس فضا نے خانقاہوں کو بھی متاثر کیا چنانچہ مرشد اور شیخ کی شخصیت کو عملاً تنقید سے بالاتر قرار دیا گیا۔ مرید اور عقیدت مند عموماً اِس کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ اپنے مرشد کے افعال واقوال پر تنقیدی نگاہ ڈالیں۔

جماعت نے تنقید واحتساب کے اِسلامی اصول کو بھی زندہ کیا اور صحت مند روایات کو قائم کرنے کی کوشش کی۔ اِس سلسلے میں جو بات قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ جماعت کے اندر تنقید و احتساب کے عمل کو فی الواقع زندہ رکھنے اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے تین امور کی ضرورت ہے:

(الف) جماعت میں ایسی فضا بنائی جائے جس میں تنقید واحتساب کی آزادی ہو اور اُس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہو۔

(ب) تنقید واحتساب کے آداب سے لوگ واقف ہوں اور اُن کالحاظ کریں۔

(ج) تنقید و احتساب کے لیے ہر سطح پر باقاعدہ مواقع فراہم کیے جائیں اور تمام ارکان کو متعین وقفوں کے بعد یہ مواقع ملتے رہیں۔

عالمِ انسانیت سے تعلق

جماعت نے اپنی تاسیس کے وقت سے ہی مسلمانوں کے علاوہ عام اِنسانوں کو بھی مخاطَب بنایا۔ یوں تو دعوت الی اللہ مسلمانوں کی ذمّے داری ہے اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمان کچھ نہ کچھ اس کی طرف توجہ کرتے رہے ہیں۔ (اِس طرح کی کوششوں کے تسلسل کا ایمان افروز تذکرہ مولانا مودودیؒ نے 'اسلام کا سرچشمہ قوّت' میں کیا ہے۔) لیکن عموماً مسلمانوں کی جماعتوں نے اِس فریضے کی جانب توجّہ نہیں دی تھی۔ جماعت اسلامی نے دعوت الی اللہ کی اِس روایت کو زندہ کیا۔ جماعت کے بنیادی لٹریچر میں کئی کتابیں ایسی ہیں، جن میں مسلمانوں کے علاوہ عام انسانیت کو خطاب کیا گیا مثلاً 'سلامتی کا راستہ'، 'بناؤ بگاڑ'، 'زندگی بعد موت'، 'توحید و رسالت کا عقلی ثبوت'، 'اسلام اور جاہلیت' وغیرہ۔ جماعت اسلامی ہند نے اس فہرست میں نئی دعوتی کتب کا اضافہ کیا۔ اب جماعت کی یاددہانی کے نتیجے میں ہندستان کے دوسرے دینی حلقے بھی فریضہ دعوت کی جانب متوجہ ہونے لگے ہیں۔

جماعت کے آفاقی مزاج کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ارضی وسماوی آفات کے مواقع پر جماعت نے جو خِدمات انجام دیں، اُن میں صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام مستحقین کی مدد کی۔ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی بلکہ اِسلام کے مزاج کا عین تقاضا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں عام مسلمانوں کے درمیان ایک اجنبی مزاج بن چکا ہے۔ اِس لیے اِسلامی مزاج کی تجدید کی بڑی معنویت ہے۔

اب جماعت نے اپنی تاسیس کے بعد سے ستّر سال کا سفر پورا کرلیا ہے۔ اِس موقع پر مناسب ہے کہ جماعت اپنی امتیازی خصوصیات اپنے وابستگان کو یاد دِلائے اور اِن خصوصیات کو زندہ رکھنے کا عملاً اہتمام بھی کرے۔ اگر جماعت نے اِس سمت توجہ کی تو توقع ہے کہ امت کے مجموعی مزاج میں بھی مثبت اور صحت مند تبدیلیاں لاسکے گی اور عالمِ انسانیت پر بھی اچھے اثرات ڈالے گی۔
